OPEN ACCESS
RUSHD
(Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies)
Published by: *Lahore Insititute for Social Sciences, Lahore.*

ISSN (Print): 2411-9482
ISSN (Online): 2414-3138
Jan-June-2022
Vol: 3, Issue: 1
journalrushd@gmail.com**Email:**
OJS: https://rushdjournal.com/index

قاری محمد مصطفیٰ راسخ[1]

علم وقف وابتداء کی اہمیت وضرورت

The importance and necessity of knowledge of *Waqf* and *Ibdeta*

Abstract

In traditional Quranic recitation, there are specific guidelines for where to stop and where to start reciting. This is important to ensure that the recitation is done correctly and according to the established rules and guidelines of Quranic recitation. For example, in the traditional method of Quranic recitation, known as Tajweed, each chapter (surah) is divided into smaller sections known as "ayahs." The recitation of the Quran typically starts from the first ayah of the first surah (Al-Fatihah) and continues until the end of the final surah (Al-Nas). During the recitation, there are also specific rules for stopping and starting at certain points within each ayah. For example, a reciter must pause briefly at the end of each ayah and take a deep breath before beginning the next one. Additionally, there are specific rules for pronunciation and vocalization, including the pronunciation of certain letters and the elongation of certain

1 فاضل و مدرس کلیۃ القرآن، نائب مدیر مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

syllables. In short, traditional Quranic recitation has specific guidelines for where to stop and where to start in order to ensure that the recitation is done accurately and in accordance with the established rules and principles of Quranic recitation.

Keywods: Tilawat, Quran, Waqf, Tajwid

اہل دنیا کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں اور پیشواؤں کا کلام بڑے ادب واحترام سے پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، اوراس کا کلام تمام کلاموں کا سردار ہے۔ جو اس بات کا زیادہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کی تلاوت ادب واحترام کے ساتھ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے اپنے کلام کی تلاوت کرنے کے آداب بھی خود ہی بیان فرمادیئے ہیں۔ ان آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کو ترتیل، یعنی حروف کی عمدہ ادائیگی اور اوقاف کا لحاظ کرتے ہوئے ادا کرنا چاہیے۔

جس طرح قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنے کا وجوب قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے، اسی طرح قرآنی اوقاف کی معرفت اور دورانِ تلاوت اس کی رعایت رکھنا بھی واجب ہے۔ کیونکہ تجوید حروف کی درست ادائیگی کا ذریعہ ہے، تو معرفتِ وقوف اس کی اعلیٰ تفہیم کا ذریعہ ہے۔

دوران تلاوت سانس لینا ہر انسان کی فطری ضرورت ہے، لہٰذا ہر قاری قرآن پر لازم ہے کہ وہ اس بات کا علم حاصل کرے کہ کہاں وقف کرنا درست ہے اور کہاں ناجائز، تاکہ کلامِ الٰہی کا صحیح فہم حاصل ہو سکے۔ بسا اوقات انسان معنی مکمل ہونے سے پہلے ہی وقف کر دیتا ہے، جس سے قاری اور سامع دونوں ہی کلام اللہ کا صحیح معنی سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، یا کوئی غلط معنی مراد لینے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معنی کی درستگی، وقفِ صحیح کے مرہون منت ہے۔

علم وقف وابتداء کی معرفت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات بے موقع وقف، ابتداء یا اعادہ کرنے سے معنی میں خلل آجاتا ہے اور نماز ضائع یا ناقص ہو جاتی ہے۔ جس سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ قرآن کریم کے معانی پر غور کیا جائے اور علم اوقاف کی تعلیم حاصل کی جائے۔

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (ت794ھ) اپنی کتاب البرهان في علوم القرآن میں امام ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (ت324

سے نقل کرتے ہیں کہ اوقاف کی معرفت کے لیے درج ذیل چار علوم جاننا ضروری ہے:

1. قرآن مجید کا ترجمہ اور معانی
2. علم نحو اور ترکیب
3. علم قراءات
4. علم تفسیر و قرآنی قصص

امام ابن مجاہد کے علاوہ دیگر اہل علم نے "علم فقہ" کا جاننا بھی ضروری قرار دیا ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت کی سعادت تو ہر عام و خاص حاصل کرتا ہے، چونکہ عوام الناس کے لیے ان علوم کی معرفت ممکن نہیں ہے، اس لیے علماء نے عام لوگوں کی سہولت کی خاطر قرآن کریم میں جگہ جگہ ایسی علامات لگا دی ہیں، جن کی پیروی کرنے سے عام انسان اور مبتدی طالب علم اوقاف کی غلطی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جن میں ایک قابل قدر خدمت علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ان کے بعد عصر حاضر میں مجمع ملک فہد سے وابستہ کبار علمائے تفسیر و قراءات کی جماعت نے مزید عروج بخشا ہے۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء

قرآن مجید سے دلائل

1. وقف کی اہمیت کے سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۳۲﴾[1]

"اور ہم نے قرآن مجید کو (بواسطہ جبریل) ترتیلِ تامہ کے ساتھ (اپنے رسول کو) پڑھ کر سنایا۔"

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں باری تعالیٰ خود اپنے انداز تلاوت کے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں، کہ ہم نے بھی قرآن کو ترتیل کے ساتھ یعنی الفاظ کی عمدگی اور اوقاف کی رعایت رکھتے ہوئے تلاوت کیا۔ اور پھر یہی حکم جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔

2. ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۴﴾[2]

"اور قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔"

---

1 الفرقان: 32

2 المزمل: 4

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ترتیل کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اَلتَّرْتِيْلُ: هُوَ تَجْوِيْدُ الْحُرُوْفِ وَ مَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ"[1]

"ترتیل سے مراد حروف کی عمدہ ادائیگی اور وقوف کی معرفت ہے۔"

ایک دوسری روایت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے "ترتیل" کے معنی دریافت کیے گئے، توانہوں نے فرمایا:

"هُوَ حِفْظُ الْوُقُوْفِ وَ بَيَانُ الْحُرُوْفِ"[2]

"ترتیل، اوقاف کی پابندی اور حروف کی وضاحت سے ادائیگی کا نام ہے۔"

امام ابو جعفر نحاس رحمۃ اللہ علیہ (ت 338ھ) نقل کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے "ترتیل" کے معنی دریافت کیے گئے تو انہوں نے فرمایا: "بَيِّنْهُ تَبْيِيْنًا"[3]

"اَلتَّبْيِيْنُ، تَفْصِيْلُ الْحُرُوْفِ وَ الْوَقْفُ، عَلٰي مَاتَمَّ مَعْنَاهُ مِنْهَا"[4]

"تبیین سے مراد حروف کو تجوید کے ساتھ پڑھنا اور ایسی جگہ وقف کرنا جہاں معنی مکمل ہو رہا ہو۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھنے کا صرف حکم ہی نہیں دیا، بلکہ تاکید کے لیے ﴿تَرْتِيلًا﴾ مصدر بھی ذکر فرمایا ہے، جو اس کے قطعی واجب ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

3. ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾[5]

"اور ہم نے قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کرکے نازل فرمایا ہے، تاکہ آپ اسے لوگوں کو ترتیل سے پڑھ کر سنائیں۔"

اس آیت مبارکہ کے کلمہ ﴿فَرَقْنٰهُ﴾ میں دو قراءات ہیں:

---

1 النشر في القراءات العشر: 1: 225

2 الكافي ليعقوب كليني (ت 328ھ)

3 القطع والائتناف: 1: 74

4 القطع والائتناف: 1: 74

5 بنی اسرائیل: 106

ایک ﴿ فَرَقْنٰهُ ﴾ راء کی تخفیف کے ساتھ۔

جس کے معنی ہیں "بَيَّنَّاهُ وَ اَوْضَحْنَاهُ وَ فَصَّلْنَاهُ" یعنی صاف صاف، واضح انداز میں آیتوں اور سورتوں کی شکل میں تقسیم کر کے ترتیل کے ساتھ اتارا ہے۔

﴿مُكْثٍ﴾ کے بارے میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی "ترتیل" بیان کیا ہے، جبکہ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں آیت مبارکہ ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ تلاوت کی۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿مُكْثٍ﴾ کے معنی ((تَرَسُّلٍ فِي التِّلَاوَةِ وَتَرْتِيلِ)) کیے ہیں "یعنی خوش آوازی سے تجوید، حسن وقف اور حسن ابتداء کے ساتھ تلاوت کرنا" نیز قرطبی لکھتے ہیں کہ مجاہد، ابن عباس اور ابن جریج نے بھی ﴿مُكْثٍ﴾ کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿ عَلَىٰ مُكْثٍ﴾ کے معنی ((تَرَسُّلٌ وَ تَمَهُّلٌ)) بیان فرمائے ہیں اور یہ بھی ترتیل کے ہم معنی ہیں۔یعنی "ترسل" بمعنی تجوید اور "تمھل" بمعنی حسن وقف وابتداء۔

دوسری قراءت ((فَرَّقْنٰهُ)) راء کی تشدید کے ساتھ ہے۔

یہ بعض جلیل القدر صحابہ کرام کی طرف منسوب ہے لیکن تواتر تک نہ پہنچنے کی وجہ سے شاذ ہے۔ اس کے معنی ہیں ہم نے قرآن مجید کو موقع کی مناسبت سے حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا ہے۔ اس صورت میں ﴿عَلَىٰ مُكْثٍ﴾ کے معنی ہوں گے کہ طویل مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا۔ اہل علم نے ان دونوں معانی کو درست قرار دیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ اور ان کی تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ "ترتیل" دو چیزوں حروف کو عمدگی کے ساتھ قواعد تجوید کی رعایت رکھتے ہوئے ادا کرنے، اور اوقاف کی معرفت حاصل کرنے کا نام ہے۔

گویا تجوید کی طرح وقوف کی معرفت بھی ترتیل کا ایک حصہ اور جز ہے۔ قرآن مجید کو ان دونوں اجزاء سمیت ترتیل سے پڑھنا واجب اور ضروری ہے۔

اس علم کی فضیلت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترتیل کی نسبت خود اپنی طرف فرمائی ہے، پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ وہ خود بھی ترتیل سے تلاوت کریں، لوگوں کو بھی ترتیل سے پڑھائیں، اور انہیں ترتیل ہی کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیں۔ چنانچہ آیت مبارکہ ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ میں نبی کریم کو ترتیل کے

ساتھ پڑھنے، اور آیت مبارکہ ﴿لِتَقۡرَأَهُۥ عَلَى ٱلنَّاسِ عَلَىٰ مُكۡثٖ﴾ میں لوگوں کو ترتیل کے ساتھ پڑھانے کا حکم ہے۔

احادیث نبویہ سے دلائل

1. سیدنا عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں:

"لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِنْ دَهْرِنَا وَإِنَّ أَحَدَنَا يُؤْتَى الْإِيمَانَ قَبْلَ الْقُرْآنِ، وَتَنْزِلُ السُّورَةُ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ فَيَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا، وَمَا يَنْبَغِي أَنْ يُوقَفَ عِنْدَهُ فِيهَا كَمَا تَعَلَّمُونَ أَنْتُمُ الْقُرْآنَ، ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رِجَالًا يُؤْتَى أَحَدُهُمُ الْقُرْآنَ فَيَقْرَأُ مَا بَيْنَ فَاتِحَتِهِ إِلَى خَاتِمَتِهِ مَا يَدْرِي مَا أَمْرُهُ وَلَا زَاجِرُهُ، وَلَا مَا يَنْبَغِي أَنْ يُوقَفَ عِنْدَهُ مِنْهُ يَنْثُرُهُ نَثْرَ الدَّقَلِ."[1]

"ہم نے اپنے زمانے کا ایک روشن دور گزارا ہے، جس میں ہمیں قرآن مجید سے پہلے ایمان کی تعلیم دی جاتی تھی، جب نبی کریم ﷺ پر کوئی سورہ نازل ہوتی تو ہم اس کے حلال و حرام اور مقاماتِ وقف کی تعلیم اس طرح حاصل کرتے، جس طرح تم آج قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے ہو۔ جبکہ آج صورتِ حال یہ ہے کہ میں بعض افراد کو دیکھ رہا ہوں، جنہیں تعلیم قرآن سے پہلے قرآن (کے الفاظ) سکھا دیے جاتے ہیں، وہ سورہ فاتحہ سے لے کر آخر قرآن تک پڑھ جاتا ہے، لیکن اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کس بات کا حکم ہو رہا ہے، کس چیز سے منع کیا جا رہا ہے اور نہ ہی اسے یہ پہچان ہوتی ہے کہ وقف کہاں کرنا ہے۔ وہ بالکل بے جوڑ نثر کی طرح قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔"

"یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مقاماتِ اوقاف کی تعلیم اس اہتمام کے ساتھ حاصل کیا کرتے تھے، جس اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے تھے، اور جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول "لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِنْ دَهْرِنَا" اس امر پر بڑی واضح دلالت کر رہا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں علم وقف سیکھنا انتہائی اہم و ضروری عمل تھا۔ گویا کہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔"[2]

امام دانی رحمۃ اللہ علیہ ابن عمر کے اس قول کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

"قول ابن عمر رضی اللہ عنہما اس امر کی دلیل ہے کہ علم وقف توقیفی علم ہے، جو نبی کریم ﷺ کے واضح حکم تعلیم دینے سے

1 السنن الکبری للبیھقي: 3: 120

2 القطع والائتناف: 87

ثابت ہے اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔“[1]

علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تفسیری قول "اَلتَّرْتِيْلُ: هُوَ تَجْوِيْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ" اور حدیث ابن عمر نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ دونوں آثار اس بات کی دلیل ہیں کہ علم تجوید کو سیکھنا اور اوقاف کی معرفت حاصل کرنا، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔“[2]

2. سیدنا عدی بن حاتم فرماتے ہیں:

"جَاءَ رَجُلَانِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَتَشَهَّدَ أَحَدُهُمَا فَقَالَ: مَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ، فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَعْصِهِمَا! فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: قُمْ ـــ أَوِ اذْهَبْ ـ بِئْسَ الْخَطِيْبُ أَنْتَ"[3]

”نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں دو آدمی حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: ((مَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَعْصِهِمَا)) اور ((وَمَنْ يَعْصِهِمَا)) پر وقف کر دیا۔ (جس کے معنی ہوں گے)، جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی (وہ بھی ہدایت پا گیا) العیاذ باللہ! نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر کہا: اٹھ جا، یا فرمایا: یہاں سے چلا جا، تو برا خطیب ہے۔“

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

«بِئْسَ خَطِيْبُ الْقَوْمِ أَنْتَ»

”تو قوم کا برا خطیب ہے۔“

امام اشمونی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کلمات بھی روایت کیے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کو تاہی پر اُسے تعلیم دیتے ہوئے کہا:

«قُلْ: مَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ غَوَى»

”تم کہو! جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا۔“

---

1 المكتفي في الوقف والابتداء: 134، 135

2 النشر في القراءات العشر: 1: 225

3 مسلم: 2: 594، مسند احمد: 4: 256

امام دانی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث مبارکہ نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

"مذکورہ واقعہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ وقفِ قبیح اس وجہ سے مکروہ عمل ہے کہ کلام کی حقیقت اور اس کے درست معنی ہی ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب کو اٹھادیا تھا، کیونکہ اس نے بے موقع وقف کرکے فرمانبردار اور نافرمان دونوں کو ایک ہی بشارت میں جمع کر دیا تھا۔
حالانکہ ضروری تھا کہ وہ ((فَقَدْ رَشَدَ)) پر وقف کرکے مابعد سے ابتداء کرتا، اور اپنے کلام کو آخر تک ملاتا اور کہتا: ((وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰي)) "جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ ہلاک ہو گیا۔"

علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر مزید تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایسے قبیح وقف جب عام بول چال میں مکروہ سمجھے جاتے ہیں، تو یہ کلام اللہ میں کس قدر کراہت کا باعث ہوں گے۔ کلام الٰہی اس بات کی کہیں زیادہ متقاضی ہے کہ اس میں وقف قبیح سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے۔"[1]

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"جب ایسے وقف روزمرہ اور معمول کی خطابت میں ناپسندیدہ ہیں، تو کلام اللہ میں ناپسندیدگی کا کیا عالم ہو گا۔"[2]

علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

"یہ واقعہ دلیل ہے کہ وقف قبیح کے مواقع پر وقف کرنا ناجائز اور مکروہ ہے۔"[3]

علامہ اشمونی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

"یہ حدیث وقف قبیح کی قباحت پر واضح حجت ہے، اُس شخص کو چاہیے تھا کہ وہ ((فَقَدْ رَشَدَ)) پر وقف کرتا، پھر ((وَمَنْ يَعْصِهِمَا)) سے ابتداء کرکے ((فَقَدْ غَوٰى)) پر وقف کرتا، جب لوگوں کے مابین ہونے والی عام گفتگو میں ایسا وقف کرنا ناپسندیدہ ہے تو کلام اللہ میں یہ کس قدر ناپسندیدہ ہو گا، اس سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری ہے۔"[4]

امام ابو جعفر نحاس رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"مناسب یہ تھا کہ وہ اپنی گفتگو میں ((وَمَنْ يَعْصِهِمَا)) کی بجائے ((فَقَدْ غَوٰى)) پر وقف کرتا، یا پھر ((فَقَدْ

1 المكتفي في الوقف والابتداء: 34
2 البرهان في علوم القرآن: 343
3 التمهيد في علم التجويد: 177
4 منار الهدى في الوقف والابتداء: 4

رَشَدَ)) پر ٹھہر جاتا۔ جب یہ بے موقع وقف عام کلام میں اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو اپنی محفل سے اٹھ جانے کا حکم دے دیا، تو کلام اللہ میں وقف قبیح کی کس طرح گنجائش ہو سکتی ہے!۔"[1]

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں:

"یہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ وقف قبیح کے موقع پر اختیاراً وقف کرنے کے لیے نیت کا سہارا لیا جائے۔ کیونکہ یہ ائمہ وقف کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، اور احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ اس پر حجت ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس خطیب کو اپنی مجلس سے اٹھاتے وقت اس کی نیت کے بارے میں دریافت نہیں فرمایا۔"

فائدہ: اگرچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا مفہوم کچھ اور بیان کیا ہے، لیکن جمہور ائمہ وقف، علمائے قراءات اور محدثین نے وہی مفہوم درست قرار دیا ہے جو اوپر گزرا ہے۔

3. سیدنا ابو بکرہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ جِبْرَئِيلَ اَتَي النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: اِقْرءِ الْقُرْآنَ عَلي حَرْفٍ، فَقَالَ مِيْكَائِيْلُ: اِسْتَزِدْهُ، فَقَالَ: اِقْرَءْ عَلي حَرْفَيْنِ، فَقَالَ مِيْكَائِيْلُ: اِسْتَزِدْهُ، حَتّي بَلَغَ سَبْعَةَ اَحْرُفٍ، ثُمَّ قَالَ: كُلٌّ شَافٍ كَافٍ مَا لَمْ تَخْتِمْ آيَةَ عَذَابٍ بِآيَةِ رَحْمَةٍ، أَوْ آيَةَ رَحْمَةٍ بِآيَةِ عَذَابٍ»

"جبریل علیہ السلام، نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور کہا: آپ ایک حرف پر قرآن پڑھیں، سیدنا میکائیل نے کہا: زیادہ طلب کیجیے۔ (تو آپ نے زیادہ حروف طلب کیئے، تب) سیدنا جبریل علیہ السلام نے دو حروف پر پڑھنے کو کہا: سیدنا میکائیل علیہ السلام نے پھر وہی کہا کہ زیادہ طلب کیجیے۔ (اور رسول اللہ ﷺ زیادہ طلب کرتے رہے) اس طرح کرتے کرتے تعداد سات حروف تک پہنچ گئی۔ تب سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے کہا: یہ تمام حروف صحیح اور کافی وشافی ہیں، جب تک عذاب والی آیت کو رحمت والی آیت کے ساتھ اور رحمت والی آیت کو عذاب والی آیت کے ساتھ ملا کر ختم نہ کیا جائے۔"

4. ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«مَا لَمْ تَخْتِمْ بِآيَةِ عَذَابٍ، أَوْ آيَةَ عَذَابٍ بِمَغْفِرَةٍ»

---

1 القطع والائتناف: 88

”جب تک رحمت والی آیت کو عذاب والی آیت کے ساتھ، یا عذاب والی آیت کو مغفرت (والی آیت) کے ساتھ ملا کر ختم نہ کیا جائے۔“

5. سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أتينا رسول الله ﷺ فقال: إن الملك كان معي، فقال لي: اقرء القرآن، فعد حتي بلغ سبعة أحرف، فقال: ليس منها إلا شاف كاف مالم تختم آية عذاب برحمة أو تختم رحمة بعذاب»

”ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: فرشتہ میرے ساتھ تھا، اس نے مجھے کہا: قرآن پڑھو، اس نے شمار کیا، حتیٰ کہ سات حروف تک پہنچ گیا، پھر کہا: یہ سب کے سب شافی اور کافی ہیں، جب تک آپ عذاب والی آیت کو رحمت والی کے ساتھ، یا رحمت والی کو عذاب کے ساتھ ملا کر ختم نہ کریں۔“

6. سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إن هذا القرآن أنزل عليٰ سبعة أحرف، اقرءوا ولا حرج، ولكن لا تختموا ذكر رحمة بعذاب ولا تختموا ذكر عذاب برحمة»

”بے شک یہ قرآن مجید سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، تم (یہ سب حروف) پڑھو، کوئی حرج نہیں ہے، لیکن رحمت کے تذکرے کو عذاب کے ساتھ اور عذاب کے ذکر کو رحمت کے ساتھ مت ملاؤ۔“

مذکورہ بالا چاروں روایات کا ایک ہی معنی و مفہوم ہے کہ رحمت اور ثواب والی آیت کو عذاب و عقاب والی آیت کے ساتھ، اور عذاب و عقاب والی آیت کو رحمت و ثواب والی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ جس کا اصطلاحی زبان میں مفہوم یہ ہے کہ وقف قبیح سے بچنا اور وقف تام کو اختیار کرنا چاہیے۔

امام دانی رحمۃ اللہ علیہ ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”ان روایات میں نبی کریم ﷺ نے وقف تام کی تعلیم دی ہے، جو انہوں نے جبریل سے حاصل کی تھی۔“

7. سیدنا جریر فرماتے ہیں:

"بايعنا رسول الله على النصح لكل مسلم، إنه ينبغي أن ينصح بعلم القرآن، فيقف الذي

بعلمه علىٰ ما يحتاج إليه من القطع. وما ينبغي أن يستأنف به"[1]

"ہم نے نبی کریم ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کریں گے، اور خیر خواہی یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں، وقف کے مواقع بتائیں، جو دوران تلاوت ضروری ہیں، اور ابتداء اور اعادہ کے مقامات سے بھی باخبر کریں۔"

یہ حدیث مبارکہ بھی علم وقف وابتداء کی اہمیت پر بڑی واضح دلیل ہے، نیز حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مانند اس سے بھی علم وقف کے توقیفی ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔

اقوال صحابہ سے دلائل

1. سیدنا ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے آیت ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾[2] تلاوت کی اور ﴿الشَّيْطٰنَ﴾ پر وقف کر دیا، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ سن کر فرمایا: ((اِنْقَطَعَ الْكَلَامُ)) "کلام منقطع ہو گئی ہے۔" مطلب یہ تھا کہ اس جگہ بے موقع وقف کیا گیا ہے، کیا ہی بہتر تھا کہ جہاں مفہوم مکمل ہو رہا ہے وہاں پر وقف کیا جاتا۔[3]

2. سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾[4]

"اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دیں گے۔"

حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کافر، مومنوں کو قتل کر رہے ہیں اور ان پر غالب آتے جا رہے ہیں۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے ماقبل سے ملا کر پڑھو، یعنی:

﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾[5]

---

1 القطع والائتناف: 91

2 النساء: 83

3 القطع والائتناف: 90

4 النساء: 141

5 النساء: 141

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے اور کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دیں گے۔"

گویا کہ غلبہ کا یہ وعدہ قیامت کے دن کے ساتھ خاص ہے۔[1]

مذکورہ اقوال سے علم وقف وابتداء کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔پہلے موقع پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جملہ پورا کیے بغیر کیے گئے وقف پر تنبیہ فرمائی کہ کلام کا ربط قائم نہیں رہا، اور جملہ پورا کرنا ضروری تھا۔

جبکہ دوسری جگہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابتداء کی جگہ درست نہیں ہے، جس سے جملہ اپنا مفہوم واضح نہیں کر رہا، لہٰذا آپ نے ما قبل سے پڑھنے کا حکم دیا۔

3. سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کسی نے ان کے سامنے ﴿عِوَجًا﴾ پر سکتہ کیے بغیر ﴿قَيِّمًا﴾ سے ملا دیا۔ وصل کی وجہ سے ﴿قَيِّمًا﴾ ﴿عِوَجًا﴾ کی صفت بن جاتی ہے، جس کا معنی ہے:"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر ایسی کتاب نازل کی ہے، جس میں ایسی کجی نہیں ہے جو سیدھی ہو۔" سیدنا قتادہ نے یہ سن کر کہا:((اَنْزَلَ الْكِتٰبَ قَيِّمًا وَلَمْ يَجْعَلْ لَّه عِوَجًا)) "یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسی سیدھی کتاب نازل فرمائی ہے، جس میں کسی قسم کی کوئی کجی نہیں ہے۔" لہٰذا معنوی قباحت سے بچنے کے لیے((عِوَجًا)) پر وقف یا سکتہ کرنا ضروری ہے۔[2]

4. ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب السلمی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ﴿مِن مَّرْقَدِنَا﴾ پر وقف کرنا مستحب ہے، تا کہ کفار کے کلام اور فرشتوں کے جواب میں تفریق وانفصال ہو جائے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ سکتہ وقف کے حکم میں ہی ہوتا ہے۔

علم وقف وابتداء ائمہ فن کے اقوال کی روشنی میں

1. امام ابو بکر محمد بن قاسم بن بشار انباری رحمۃ اللہ علیہ (ت328ھ) فرماتے ہیں:"علوم قرآن میں سے علم وقف و ابتدا کو جاننا از حد ضروری ہے، کیونکہ کوئی بھی شخص اس وقت تک قرآن مجید کی مکمل معنوی معرفت حاصل نہیں کر سکتا، جب تک وہ اوقاف کی جگہوں کی درست معرفت حاصل نہ کرے۔"[3]

1 القطع والائتناف: 90
2 القطع والائتناف: 90
3 الاتقان في علوم القرآن: 1: 85

2. امام ابو حاتم سہل بن محمد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ (ت 255ھ) فرماتے ہیں:

"مَنْ لَّمْ يَعْرِفِ الْوَقْفَ لَمْ يَعْرِفِ الْقُرْآنَ"[1]

"جس نے وقف وابتداء کی معرفت حاصل نہ کی، اس نے قرآن کی معرفت نہ پائی۔"

کیونکہ وقف و ابتداء کا معانی کے ساتھ انتہائی گہرا تعلق ہے، اور بے موقع وقف کرنے یا بے محل ابتداء و اعادہ کرنے سے معنیٰ بے حد متاثر ہوتا ہے۔

3. امام ابو القاسم یوسف بن علی بن جبارہ الہذلی رحمۃ اللہ علیہ (ت 465ھ) اپنی کتاب "الکامل" میں فرماتے ہیں:

"موقع و محل کے اعتبار سے مناسب جگہ پر وقف کرنا تلاوت کا زیور، قاری کی زینت، تلاوت کرنے والے کی فصاحت وبلاغت، سننے والے کے لیے معنی کے سمجھنے میں آسانی اور عالم کی شان ہے اور عمدہ وقف کے ذریعے دو مختلف معنوں اور دو الگ الگ حکموں میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔"[2]

آیت مبارکہ ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾[3] اس میں ﴿يَخْتَارُ﴾ پر وقف تام ہے، اس کے بعد والا حصہ ﴿مَا كَانَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ﴾ جملہ مستانفہ ہے، اور اس میں ﴿مَا﴾ نافیہ ہے۔ اس کا معنی ہے: "اور آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے برگزیدہ کرتا ہے، ان لوگوں کو اس میں کچھ بھی اختیار نہیں۔"

وقف کی اس ترتیب میں مذکورہ آیت قدریہ اور معتزلہ کی تردید کرتی ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود خالق اور مختار ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ وہ کبھی اپنے غلط عقائد کو اسی آیت میں درست وقف کر کے ثابت کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ﴾ میں ﴿وَيَخْتَارُ﴾ پر وقف نہیں کرتے بلکہ اسے مابعد سے ملا کر ٱلْخِيَرَةُ پر وقف کرتے ہیں اور ﴿مَا كَانَ﴾ میں ﴿مَا﴾ کو موصولہ مانتے ہیں، اس بے محل وقف کی وجہ سے اس کا معنی کچھ یوں ہو جاتا ہے: "اور آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اس چیز کو جس میں

1 نهاية القول المفيد: 152

2 تعليقات مالكيه حاشيه فوائد مكيه

3 القصص: 68

لوگوں کو اختیار ہے۔"

یعنی لوگ اپنے اعمال کے خود مختار ہیں، اور یہ معنیٰ جمہور اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہے۔

4. علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قاری اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کے لیے مجبوری ہے کہ وہ پوری سورہ یا پورا واقعہ وقف کیے بغیر ایک سانس میں نہیں پڑھ سکتا، کہیں نہ کہیں اسے سانس لینا پڑتا ہے۔ دوسری مجبوری یہ ہے کہ کلمہ کے درمیان کسی حال میں وقف کرنا جائز نہیں ہے، تاکہ اس کے مقصود معنی میں خلل پیدا نہ ہو۔ چنانچہ ان مجبوریوں کے پیشِ نظر ائمہ قراءات اور سلف صالحین نے علم وقف وابتداء کی معرفت کو ایک مستقل علم کی شکل دے دی ہے۔"[1]

یہی وہ مجبوریاں ہیں جن کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم وقف کی باقاعدہ تعلیم لیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس علم کے سیکھنے اور سکھلانے کو دین کی اہم ضرورت سمجھا اور ہر دور میں اہل فن، ائمہ وقف اور قراء کرام نے اس کا خصوصی اہتمام فرمایا، اس پر کثرت سے کتب لکھیں اور قرآن مجید میں وقف وابتداء کے مقامات کی نشاندہی کی۔ علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بعض جلیل القدر حضرات نے تو پورے قرآن مجید میں وقف کی مختلف علامات لگا کر اس مشکل ترین مسئلہ کو بے حد آسان بنادیا۔

5. علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

"بعد میں آنے والے ائمہ فن نے قراءت کی اجازت دینے والے اساتذہ پر یہ شرط عائد کی کہ وہ اپنے تلامذہ کو اس وقت تک سند اجازہ نہ دیں، جب تک وہ علم وقف وابتداء کے ماہر نہ ہو جائیں۔ ہمارے اساتذہ کرام ہمیں ہر ہر حرف پر ٹھہراتے تھے اور اپنی انگلیوں کے اشارے سے بتاتے تھے کہ فلاں کلمہ پر وقف کرو، فلاں پر نہ کرو۔ اور یہ وہ طریقہ تھا جس کو ہمارے مشائخ نے اپنے اساتذہ سے اخذ کیا تھا۔"[2]

6. امام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علم وقف وابتداء قرنِ اول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ اور تمام اہل علم کے نزدیک پسندیدہ علم تھا۔ مشائخ، قراء اور کبار اہل علم اس کے دلدادہ ہوتے تھے۔ اس علم کی حقانیت پر سلف صالحین سے متعدد

1 النشر في القراءات العشر: 1: 224، 225

2 النشر في القراءات العشر: 1: 225

روایات صحتِ سند کے ساتھ مروی ہیں۔"[1]

7. علامہ ابوالحسن علی بن محمد النوری الصفاقسی رحمۃ اللہ علیہ (ت 118ھ) فرماتے ہیں:

"علم وقف وابتداء کی معرفت انتہائی ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر قرآن مجید کے درست معنی نہ واضح ہوتے ہیں اور نہ ہی مکمل ہوتے ہیں، بات ادھوری رہ جاتی ہے اور معنی سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ بعض اوقات تو بے موقع وقف کرنے کی وجہ سے ایسا معنوی فساد پیدا ہو جاتا ہے کہ نزول آیت کا حقیقی مقصود ہی فوت ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ علماء متقدمین اور متاخرین نے اس کے تعلیم وتعلم پر بے حد زور دیا ہے۔"[2]

8. علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے امام احمد جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علم وقف وابتداء تجوید کے متعلقات میں سے ہے، لہٰذا قاری پر لازم ہے کہ کلمات قرآنیہ کو تجوید سے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ علم وقف وابتداء کی بھی معرفت حاصل کرے۔"[3]

9. مولانارشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اہمیت وقف پر رقم طراز ہیں:

"اصل یہ ہے کہ اوقاف ہی قرآن مجید کی تفسیر ہیں، کیونکہ فصل ووصل سے معانی واضح ہو جاتے ہیں۔"

10. استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قاری اور مقری کے لیے چار علوم کو جاننا از حد ضروری ہے۔ پہلا علم تجوید ہے، یعنی حروف کے مخارج اور صفات کا علم حاصل کرنا۔ دوسرا علم اوقاف ہے، یعنی اس بات کا علم ہونا کہ کسی بھی کلمہ پر کیسے وقف کرنا چاہیے اور کیوں نہیں کرنا چاہیے۔ معنی کے اعتبار سے کس جگہ کرنا قبیح ہے، اور کس جگہ حسن ہے۔ کہاں لازم ہے اور کس مقام پر غیر لازم ہے۔"[4]

---

1 المقصد لتلخيص ما في المرشد في الوقف والابتداء: 5

2 تنبيه الغافلين و ارشاد الجاهلين: 128

3 الحواشي المفهمة شرح المقدمة الجزرية: 38

4 فوائد مكيه مطبوعه قراءت اكيڈمی: 51

11. قاری عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ حسنِ وقف وابتداء کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے، چنانچہ ان کی روایت حفص عن عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی تلاوت کرنے والوں کو بھی امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع کرتے ہوئے حسن وقف وابتداء کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ خصوصاً تعلیمی میدان سے منسلک اساتذہ، قراء و مقرئین کو اس کا خصوصی لحاظ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے خلاف کرنے، اور اس کا التزام نہ کرنے سے یہ نقصان اور خرابی پیدا ہوگی، کہ اس استاد سے پڑھنے والے طلباء کی نظر میں علم وقف وابتداء کی کوئی اہمیت وضرورت باقی نہ رہے گی۔ اور وقف وابتداء کے میدان میں وہ شتر بے مہار کی طرح آزاد ہو جائیں گے۔ اور اس کوتاہی کا سلسلہ آئندہ ان کے تلامذہ میں بھی جاری رہے گا، جس کی تمام ذمہ داری پڑھانے والے قاری اور مقری پر ہوگی۔"[1]

12. قاری عبد المالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ حسن وقف وابتداء کا کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے:

"مدرسہ تجوید القرآن لاہور کے سنگ بنیاد کے موقع پر منعقدہ محفل میں ایک نوجوان قاری نے سورۂ آل عمران کی آیت مبارکہ ﴿وَ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ۝۴۰﴾[2] پڑھتے ہوئے لفظ جلالہ ﴿اَللّٰہُ﴾ پر وقف کر دیا۔ جس کا معنی بنتا ہے: "اگر بیوی عاقر ہے تو کوئی بات نہیں، اللہ بھی ایسے ہی ہے۔" (نَعُوْذُ بِاللہ) جب تلاوت ختم ہوئی تو قاری عبد المالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوجوان کو بلا کر سخت تنبیہ کی اور فرمایا کہ تمہارے اس بے موقع وقف کرنے سے تلاوت کا سارا لطف جاتا رہا۔"[3]

13. قاری محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "توضحات مرضیۃ شرح فوائد مکیہ" میں رقم طراز ہیں:

"وقف وابتداء کی معرفت حاصل کرنا بھی ترتیل کا ایک جز ہے۔ اس کے بغیر ترتیل مکمل نہیں ہوتی۔ قراء کرام کو چاہیے کہ وہ حروف کی خوبصورت ادائیگی کی طرح حسن وقف اور حسن ابتداء کی رعایت کو بھی اپنا معمول

---

1 تعلیقات مکیہ ، حواشی برفوائد مکیہ :47
2 آل عمران: 40
3 الاهتداء في الوقف والابتداء: 30، 31

بنائیں، اور اس کا پورا پورا اہتمام کریں اور کروائیں۔ کیونکہ دوران تلاوت قاری اگر وقف وابتداء کے حوالے سے صحیح جگہ کی رعایت نہ رکھے، تو بعض دفعہ نہایت غلط اور فاسد معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ قاری کے بے موقع وقف کرنے سے اگرچہ قرآن مجید کے معانی حقیقتاً تبدیل نہیں ہوتے، لیکن ان معانی میں قباحت اور ابہام ضرور پیدا ہو جاتا ہے، اور کلام کا ربط تو یقیناً ختم ہو جاتا ہے، جس سے معنی ومفہوم کو سمجھنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔"

14. مصر کے معروف قاری اور مدینہ یونیورسٹی کے استاد فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح سید عجمی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علم تجوید کے اہم ترین مسائل میں سے ایک وقف وابتداء کی معرفت ہے۔ بلاشبہ ان دونوں کی معرفت حاصل کرنا علم تجوید میں مخارج وصفات سیکھنے کے بعد سب سے زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کلام اللہ کا فہم اور معنیٰ کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ بسا اوقات قاری معنی پورا ہونے سے پہلے ہی وقف کر دیتا ہے، حالانکہ وہاں وصل بہتر ہوتا ہے، اور بعض دفعہ بعد والے کلمہ پر وقف کر دیتا ہے، حالانکہ اس کے ماقبل پر وقف زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اس صورتحال میں نہ تو قاری کو کچھ علم ہوتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ ہی سامع کو کچھ سمجھ آتی ہے کہ وہ کیا سن رہا ہے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ بے موقع وقف کرنے سے مراد الٰہی کے خلاف معنی سمجھ لیے جاتے ہیں، جس سے بہت بڑا معنوی فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے متقدمین اہل علم نے قاری پر وقف وابتداء کی معرفت کو واجب قرار دیا ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے آثار میں منقول ہے۔"[1]

15. قاری اظہار احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ علم وقف وابتداء کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دورانِ تلاوت جس طرح قاری پر حروف کے مخارج وصفات کا خیال رکھنا ضروری ہے، اسی طرح اوقاف کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، کہ وقف کہاں کرنا چاہیے اور ابتداء یا اعادہ کیسے کرنا چاہیے۔ کیونکہ جس طرح حروف کو ان کے مخارج سے ادا نہ کرنے اور ان کی صفات کا لحاظ نہ رکھنے سے تلاوت کا حسن مجروح ہوتا ہے، اسی طرح محل وقف کا علم نہ ہونے سے غلط وقف کر دینے کی صورت میں تلاوت کا حسن خراب ہو جاتا ہے۔"

---

1 ہدایۃ القاری ، الی تجوید کلام الباری :367

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم نے علم تجوید و قراءات کی مانند علم وقف و ابتداء بھی سیکھا، اور ان کے بعد آنے والے اہل علم نے جہاں علم تجوید و قراءات پر کتب تحریر کیں، وہیں علم وقف وابتداء کے اصول بھی مدوّن کیے اور اسے ایک مستقل فن کی شکل دے دی۔"[1]

وقف وابتداء میں قراء عشرہ کا طرزِ عمل

قراء عشرہ بھی دورانِ تلاوت حسنِ وقف و ابتداء کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے، علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ اور امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ قراء عشرہ کے اس طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1. امام نافع مدنی رحمۃ اللہ علیہ معنی کے مطابق حسنِ وقف وابتداء کی رعایت رکھتے تھے۔
2. امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں قرآن مجید میں تین مقامات پر وقف کرنے کا خصوصی اہتمام کرتا ہوں۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾[2] پر ﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ﴾[3] پر اور ﴿إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ﴾[4] پر ان کے علاوہ کسی اور مقام پر وقف کرنے یا نہ کرنے کی پرواہ نہیں کرتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر اس جگہ وقف کرنے کے قائل تھے، جہاں سانس ٹوٹ جاتا ہو۔

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ مطلقاً رؤوس آیات پر وقف کرنے کا اہتمام فرماتے تھے اور درمیان آیت وقف پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ سوائے مذکورہ بالا تین مقامات کے۔

3. امام ابو عمرو بصری رحمۃ اللہ علیہ رؤوس آیات پر وقف کرنے کا اہتمام فرماتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے رؤوس آیات پر وقف کرنا سب سے زیادہ محبوب ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ حسن وقف کا خوب اہتمام کیا کرتے تھے۔

---

1 (المرشد في مسائل التجويد والوقف: 384، 386)
2 (آل عمران: 7)
3 (الانعام: 109)
4 (النحل: 103)

اورامام خزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ حسن ابتداء کی رعایت رکھ کر تلاوت فرماتے تھے۔

4. امام ابن عامر شامی رحمۃ اللہ علیہ حسن وقف وحسن ابتداء دونوں حالتوں کی رعایت رکھتے تھے۔

5. امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ ایسی جگہ وقف کرتے تھے، جہاں کلام مکمل ہو جاتا تھا۔

6. امام حمزہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ایسی جگہ وقف فرماتے تھے، جہاں سانس ٹوٹ جاتا تھا، بعض اہل علم نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ امام حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں تحقیق اور مد طویل ہے، جس کی وجہ سے قاری شاید وقف تام یا وقف کافی تک نہ پہنچ سکے، لہٰذا اسے سانس ٹوٹنے پر وقف کرلینا چاہیے۔

علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ امام حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکمل قرآن مجید ایک سورت کی مانند ہے، لہٰذا ان کے نزدیک وقف کی کوئی معین جگہ نہ تھی، وہ ہر سورت کے درمیان وصل بدون بسم اللہ سے پڑھتے ہیں۔ اگر وقف مذکور کی وجہ سے تحقیق ہوتی تو وہ ہر سورت کے آخر پر وصل کی بجائے قطع کو ترجیح دیتے۔

7. امام کسائی کوفی رحمۃ اللہ علیہ بھی (امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی مانند) ایسی جگہ وقف کرتے تھے، جہاں کلام پورا ہو جاتا تھا۔

8، 9، 10. اسی طرح امام ابو جعفر، امام یعقوب اور امام خلف العاشر رحمہم اللہ تینوں قراء ہی حسنِ وقف اور ابتداء دونوں حالتوں کی رعایت رکھتے تھے۔[1]

قراء عشرہ نہ صرف خود وقف وابتداء کا اہتمام کیا کرتے تھے، بلکہ ان میں سے اکثر نے اس فن پر مستقل کتب بھی تصنیف فرمائی ہے۔ قاری محمد ادریس عاصم حفظہ اللہ نے اپنی کتاب "الاهتداء في الوقف والابتداء" میں امام نافع مدنی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو عمرو بصری رحمۃ اللہ علیہ، امام حمزہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ، امام کسائی کوفی رحمۃ اللہ علیہ، امام یعقوب حضرمی رحمۃ اللہ علیہ، امام قالون رحمۃ اللہ علیہ، امام خلف العاشر رحمۃ اللہ علیہ، امام روح رحمۃ اللہ علیہ، امام سوسی رحمۃ اللہ علیہ، امام دوری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ امام یحیٰی یزیدی رحمۃ اللہ علیہ، امام دوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ہشام رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

کتب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ شرعی طور پر حسنِ وقف وابتداء کی رعایت رکھنا نہ تو واجب ہے اور نہ ہی

---

1 النشر في القراءات العشر: 238/1۔ لطائف الاشارات لفنون القراءات: 1: 262

ضروری ہے اور نہ ہی اس کے عدم اہتمام پر کوئی عقاب وتہدید لازم آتی ہے۔ نیز محققینِ فن کی تحقیق بھی یہی ہے کہ بے محل وقف کرنے سے حقیقی معانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس فتویٰ کی بنیاد پر بعض لوگوں کے قلوب واذہان میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شرعی طور پر حسنِ وقف وابتداء کی رعایت رکھنا واجب نہیں ہے تو پھر اس کا اہتمام کرنے پر اتنا زیادہ زور کیوں دیا جاتا ہے؟

جواب: درحقیقت فقہاء کرام کا یہ فتویٰ عموم بلویٰ[1] کی بنیاد پر عام لوگوں کے لیے ہے، جو اس علم سے بالکل واقف نہیں ہوتے۔ اس فتویٰ کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے تجوید نہ جاننے والوں کی متشابہ الصوت حروف میں عام غلطیوں کے بارے میں فقہاء کرام نے عموم بلوی کی بنیاد پر ان کی نمازوں کے درست ہونے اور تلاوت کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ حالانکہ کون نہیں جانتا کہ وجوب تجوید پر امت کا اجماع ہے اور لحن جلی حرام ہے اور معنی بگڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

پس جس طرح فقہائے کرام کے عموم بلوی والے فتویٰ کی بنیاد پر وجوب تجوید کا انکار لازم نہیں آتا، اسی طرح اس فتویٰ کو دلیل بنا کر حسنِ وقف وابتداء کے وجوب اور اس کی شرعی اہمیت وضرورت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

---

1 "بلوی" کا لغوی معنی مصیبت، آزمائش اور سختی وغیرہ ہے، فقہاء کی اصطلاح میں "عموم بلوی" سے مراد ایسی عمومی اضطراری حالت ہے، جس سے بچنا محال نہ سہی، مشکل ضرور ہو۔ ایسی حالتوں میں شریعت نے مکلفین کو کچھ رخصت دی ہے۔ مگر اس رخصت کو ایک عام قاعدہ اور ضابطہ بنالینا منشاء، شریعت کے خلاف ہے۔

اس کی ایک مثال پیشاب کی سوئی کی نوک کے برابر باریک چھینٹیں ہیں۔ ہر شخص کو روز یہ معاملہ پیش بھی آتا ہے، اور ان سے بچنا تقریباً ناممکن ہے، لہٰذا تمام علماء کرام کے نزدیک پیشاب کی اتنی باریک چھینٹیں کپڑوں پر پڑ جائیں تو ان کپڑوں میں نماز ہو جاتی ہے۔ اس شرعی رخصت کو فقہاء کی اصطلاح میں "عموم بلوی" کہتے ہیں۔ لیکن اس رخصت کا یہ مفہوم ہرگز درست نہیں ہے کہ پیشاب کی باریک چھینٹیں پاک ہیں، ان سے حتی الامکان بچنا ضروری ہے۔ اسی طرح وقف وابتداء کی غلطیوں سے بچنا ہر قاری پر ضروری ہے، جو اس علم کو سیکھے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اس علم کو سیکھنا بھی ضروری اور لازم ہے۔

فائدہ: مذکورہ کلام سے واضح ہوتا ہے کہ عموم بلوی کی بنیاد پر وقف وابتداء کی غلطیوں میں عام لوگ تو معذور سمجھے جائیں گے، مگر اہل علم اس سے بری الذمہ نہیں ہوسکتے، اور ان کے لیے کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ علم وقف وابتداء سیکھیں اور دورانِ تلاوت حسن وقف وابتداء کا خصوصی اہتمام کریں۔